کتاب عطا فرمائی ہے۔[1] (۴۸)

الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَیۡبِ وَ ہُمۡ مِّنَ السَّاعَۃِ مُشۡفِقُوۡنَ ﴿۴۹﴾

وہ لوگ جو اپنے رب سے بن دیکھے خوف کھاتے ہیں اور قیامت (کے تصور) سے کانپتے رہتے ہیں۔[2] (۴۹)

وَ ہٰذَا ذِکۡرٌ مُّبٰرَکٌ اَنۡزَلۡنٰہُ ؕ اَفَاَنۡتُمۡ لَہٗ مُنۡکِرُوۡنَ ﴿۵۰﴾

اور یہ نصیحت و برکت والا قرآن بھی ہمیں نے نازل فرمایا ہے کیا پھر بھی تم اس کے منکر ہو۔[3] (۵۰)

وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَاۤ اِبۡرٰہِیۡمَ رُشۡدَہٗ مِنۡ قَبۡلُ وَ کُنَّا بِہٖ عٰلِمِیۡنَ ﴿۵۱﴾

یقیناً ہم نے اس سے پہلے ابراہیم کو اسکی سمجھ بوجھ بخشی تھی اور[4] ہم اسکے احوال سے بخوبی[5] واقف تھے۔ (۵۱)

اِذۡ قَالَ لِاَبِیۡہِ وَ قَوۡمِہٖ مَا ہٰذِہِ التَّمَاثِیۡلُ الَّتِیۡۤ اَنۡتُمۡ لَہَا عٰکِفُوۡنَ ﴿۵۲﴾

جبکہ اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو کیا ہیں؟[6] (۵۲)

---

(۱) یہ تورات کی صفات بیان کی گئی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ اس میں بھی متقین کے لیے ہی نصیحت تھی، جیسے قرآن کریم کو بھی ﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴾ (البقرۃ-۲) کہا گیا ہے، کیونکہ جن کے دلوں میں اللہ کا تقویٰ نہیں ہوتا، وہ اللہ کی کتاب کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے، تو آسمانی کتاب ان کے لیے نصیحت اور ہدایت کا ذریعہ کس طرح بنے؟ نصیحت یا ہدایت کے لیے تو ضروری ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے اور اس میں غور و فکر کیا جائے۔

(۲) یہ متقین کی صفات ہیں، جیسے سورۂ بقرۃ کے آغاز میں اور دیگر مقامات پر بھی متقین کی صفات کا تذکرہ ہے۔

(۳) یہ قرآن، جو یاد دہانی حاصل کرنے والے کے لیے ذکر اور نصیحت اور خیر و برکت کا حامل ہے، اسے بھی ہم نے ہی اتارا ہے۔ تم اس کے مُنَزَّلٌ مِّنَ اللهِ ہونے سے کیوں انکار کرتے ہو، جب کہ تمہیں اعتراف ہے کہ تورات اللہ کی طرف سے ہی نازل کردہ کتاب ہے۔

(۴) مِنْ قَبْلُ سے مرادیا تو یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو رشد (ہدایت یا ہوش مندی) دینے کا واقعہ، موسیٰ علیہ السلام کو ایتائے تورات سے پہلے کا ہے، یا یہ مطلب ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو نبوت سے قبل ہی ہوش مندی عطا کر دی تھی۔

(۵) یعنی ہم جانتے تھے کہ وہ اس رشد کا اہل ہے اور وہ اس کا صحیح استعمال کرے گا۔

(۶) تَمَاثِيلُ، تِمْثَالٌ کی جمع ہے۔ یہ اصل میں کسی چیز کی ہو بہو نقل کو کہتے ہیں۔ جیسے پتھر کا مجسمہ یا کاغذ اور دیوار وغیرہ پر کسی کی تصویر۔ یہاں مراد وہ مورتیاں ہیں جو قوم ابراہیم علیہ السلام نے اپنے معبودوں کی بنا رکھی تھیں اور جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ عَاكِفٌ، عُكُوفٌ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، جس کے معنی کسی چیز کو لازم پکڑنے اور اس پر جھک کر، جم کر بیٹھ رہنے کے ہیں۔ اسی سے اعتکاف ہے، جس میں انسان اللہ کی عبادت کے لیے جم کر بیٹھتا اور یکسوئی اور انہماک سے اس کی طرف لو لگاتا ہے۔ یہاں اس سے مراد بتوں کی تعظیم و عبادت اور ان کے تھانوں پر مجاور بن کر بیٹھنا ہے۔ یہ تماثیلیں (مورتیاں اور تصویریں) قبر پرستوں اور پیر پرستوں میں بھی آج کل عام ہیں اور ان کو بڑے اہتمام سے گھروں

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝٥٣

سب نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا۔[1] (۵۳)

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝٥٤

آپ نے فرمایا! پھر تو تم اور تمہارے باپ دادا سبھی یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا رہے۔ (۵۴)

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝٥٥

کہنے لگے کیا آپ ہمارے پاس سچ مچ حق لائے ہیں یا یوں ہی مذاق کر رہے ہیں۔[2] (۵۵)

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰي ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝٥٦

آپ نے فرمایا نہیں درحقیقت تم سب کا پروردگار تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے' میں تو اسی بات کا گواہ اور قائل ہوں۔[3] (۵۶)

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝٥٧

اور اللہ کی قسم میں تمہارے ان معبودوں کے ساتھ جب تم علیحدہ پیٹھ پھیر کر چل دو گے ایک چال چلوں گا۔[4] (۵۷)

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝٥٨

پس اس نے ان سب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ہاں صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا یہ بھی اس لیے کہ وہ سب اس کی طرف ہی لوٹیں۔[5] (۵۸)

اور دکانوں میں بطور تبرک آویزاں کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں سمجھ عطا فرمائے۔

(۱) جس طرح آج بھی جہالت و خرافات میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کو بدعات و رسومات جاہلیہ سے روکا جائے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم انہیں کس طرح چھوڑیں' جب کہ ہمارے آباواجداد بھی یہی کچھ کرتے رہے ہیں۔ اور یہی جواب وہ حضرات دیتے ہیں جو نصوص کتاب و سنت سے اعراض کرکے علماو مشائخ کے آراء وافکار سے چمٹے رہنے کو ضروری خیال کرتے ہیں۔

(۲) یہ اس لیے کہا کہ انہوں نے اس سے قبل توحید کی یہ آواز ہی نہیں سنی تھی انہوں نے سوچا' پتہ نہیں' ابراہیم علیہ السلام ہمارے ساتھ مذاق تو نہیں کر رہا ہے؟

(۳) یعنی میں مذاق نہیں کر رہا' بلکہ ایک ایسی چیز پیش کر رہا ہوں جس کا علم و یقین (مشاہدہ) مجھے حاصل ہے اور وہ یہ کہ تمہارا معبود یہ مورتیاں نہیں' بلکہ وہ رب ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک اور ان کا پیدا کرنے والا ہے۔

(۴) یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دل میں عزم کیا' بعض کہتے ہیں کہ آہستہ سے کہا' جس سے مقصود بعض لوگوں کو سنانا تھا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ کید (تدبیر) سے مراد یہاں وہ عملی سعی ہے جو وہ زبانی وعظ کے بعد تغییر منکر کے عملی اہتمام کی شکل میں کرنا چاہتے تھے' یعنی بتوں کی توڑ پھوڑ۔

(۵) چنانچہ وہ جس دن اپنی عید یا کوئی جشن مناتے تھے' ساری قوم اس کے لیے باہر چلی گئی اور ابراہیم علیہ السلام نے

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾

کہنے لگے کہ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کس نے کیا؟ ایسا شخص تو یقیناً ظالموں میں سے ہے۔[۱] (۵۹)

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾

بولے ہم نے ایک نوجوان کو ان کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا تھا جسے ابراہیم (علیہ السلام) کہا جاتا ہے۔[۲] (۶۰)

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

سب نے کہا اچھا اسے مجمع میں لوگوں کی نگاہوں کے سامنے لاؤ تاکہ سب دیکھیں۔[۳] (۶۱)

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾

کہنے لگے! اے ابراہیم (علیہ السلام) کیا تو نے ہی ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔(۶۲)

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ڰ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾

آپ نے جواب دیا بلکہ اس کام کو ان کے بڑے نے کیا ہے تم اپنے خداؤں سے ہی پوچھ لو اگر یہ بولتے چالتے ہوں۔[۴] (۶۳)

موقع غنیمت جان کر انہیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ صرف ایک بڑا بت چھوڑ دیا' بعض کہتے ہیں کہ کلہاڑی اس کے ہاتھ میں پکڑا دی' تاکہ وہ اس سے پوچھیں۔

(۱) یعنی جب وہ جشن سے فارغ ہو کر آئے تو دیکھا کہ معبود تو ٹوٹے پڑے ہیں' تو کہنے لگے' یہ کوئی بڑا ہی ظالم شخص ہے جس نے یہ حرکت کی ہے۔

(۲) ان میں سے بعض نے کہا کہ وہ نوجوان ابراہیم (علیہ السلام) ہے نا' وہ ہمارے بتوں کے خلاف باتیں کرتا ہے' معلوم ہوتا ہے یہ اسی کی کارستانی ہے۔

(۳) یعنی اس کو سزا ملتی ہوئی دیکھیں تاکہ آئندہ کوئی اور یہ کام نہ کرے۔ یا یہ معنی ہیں کہ لوگ اس بات کی گواہی دیں کہ انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو بت توڑتے ہوئے دیکھا یا ان کے خلاف باتیں کرتے ہوئے سنا ہے۔

(۴) چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجمع عام میں لایا گیا اور ان سے پوچھا گیا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ کام تو اس بڑے بت نے کیا ہے' اگر یہ (ٹوٹے ہوئے بت) بول کر بتلا سکتے ہیں تو ذرا ان سے پوچھو تو سہی۔ یہ بطور تعریض اور تبکیت کے انہوں نے کہا تاکہ وہ یہ بات جان لیں کہ جو نہ بول سکتا ہو نہ کسی چیز سے آگاہی کی صلاحیت رکھتا ہو' وہ معبود نہیں ہو سکتا' نہ اس پر اللہ کا اطلاق ہی صحیح ہے۔ ایک حدیث صحیح میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ کو لفظ کذب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے' دو اللہ کے لیے' ایک اِنِّي سَقِيْمٌ اور دوسرا یہی۔ اور تیسرا حضرت سارہ اپنی بیوی کو بہن کہنا' (صحیح بخاری۔ کتاب الأنبیاء' باب واتخذ اللہ إبراهیم خلیلا) زمانہ حال کے بعض مفسرین نے اس حدیث صحیح کو قرآن کے خلاف باور کر کے اس کا

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

پس یہ لوگ اپنے دلوں میں قائل ہو گئے اور کہنے لگے واقعی ظالم تو تم ہی ہو۔[۱] (۶۴)

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾

پھر اپنے سروں کے بل اوندھے ہو گئے (اور کہنے لگے کہ) یہ تو تجھے بھی معلوم ہے کہ یہ بولنے چالنے والے نہیں۔[۲] (۶۵)

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا

اللہ کے خلیل نے اسی وقت فرمایا افسوس! کیا تم اللہ کے

انکار کر دیا ہے اور اس کی صحت پر اصرار کو غلو اور روایت پرستی قرار دیا ہے۔ لیکن ان کی یہ رائے صحیح نہیں۔ یقیناً حقیقت کے اعتبار سے انہیں جھوٹ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن ظاہری شکل کے لحاظ سے ان کو کذب سے خارج بھی نہیں کیا جا سکتا۔ گو یہ کذب اللہ کے ہاں قابل مؤاخذہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اللہ ہی کے لیے بولے گئے ہیں۔ دراں حالیکہ کوئی گناہ کا کام اللہ کے لیے نہیں ہو سکتا۔ اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ ظاہری طور پر کذب ہونے کے باوجود وہ حقیقتاً کذب نہ ہو' جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے عَصٰی اور غَوٰی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں' حالانکہ خود قرآن میں ہی ان کے فعل اکل شجر کو نسیان اور ارادے کی کمزوری کا نتیجہ بھی بتلایا گیا ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کسی کام کے دو پہلو بھی ہو سکتے ہیں۔ من وجہ اس میں استحسان اور من وجہ ظاہری قباحت کا پہلو ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول اس پہلو سے ظاہری طور پر کذب ہی ہے کہ یہ واقعے کے خلاف تھا' بتوں کو انہوں نے خود توڑا تھا۔ لیکن اس کا انتساب بڑے بت کی طرف کیا۔ لیکن چونکہ مقصد ان کا تعریض اور اثبات توحید تھا اس لیے حقیقت کے اعتبار سے ہم اسے جھوٹ کے بجائے اتمام حجت کا ایک طریق اور مشرکین کی بے عقلی کے اثبات و اظہار کا ایک انداز کہیں گے' علاوہ ازیں حدیث میں ان کذبات کا ذکر جس ضمن میں آیا ہے' وہ بھی قابل غور ہے اور وہ ہے میدان محشر میں اللہ کے روبرو جا کر سفارش کرنے سے اس لیے گریز کرنا کہ ان سے دنیا میں تین موقعوں پر لغزش کا صدور ہوا ہے۔ دراں حالیکہ وہ لغزشیں نہیں ہیں یعنی حقیقت اور مقصد کے اعتبار سے وہ جھوٹ نہیں ہیں۔ مگر وہ اللہ کی عظمت و جلال کیوجہ سے اتنے خوف زدہ ہوں گے کہ یہ باتیں جھوٹ کے ساتھ ظاہری مماثلت کی وجہ سے قابل گرفت نظر آئیں گی۔ گویا حدیث کا مقصد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھوٹا ثابت کرنا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کیفیت کا اظہار ہے جو قیامت والے دن' خشیت الٰہی کی وجہ سے ان پر طاری ہو گی۔

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس جواب سے وہ سوچ میں پڑ گئے اور ایک دوسرے کو' لاجواب ہو کر' کہنے لگے' واقعی ظالم تو تم ہی ہو' جو اپنی جان سے دفع مضرت پر اور نقصان پہنچانے والے کا ہاتھ پکڑنے پر قادر نہیں' وہ مستحق عبادت کیوں کر ہو سکتا ہے؟ بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ معبودوں کی عدم حفاظت پر ایک دوسرے کو ملامت کی اور ترک حفاظت پر ایک دوسرے کو ظالم کہا۔

(۲) پھر اے ابراہیم (علیہ السلام) تو ہمیں یہ کیوں کہہ رہا ہے کہ ان سے پوچھو' اگر یہ بول سکتے ہیں' جب کہ تو اچھی طرح

وَلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾

علاوہ ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں کچھ بھی نفع پہنچا سکیں نہ نقصان۔(٦٦)

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ کیا تمہیں اتنی سی عقل بھی نہیں؟[۱] (٦٧)

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾

کہنے لگے کہ اسے جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے۔[۲] (٦٨)

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾

ہم نے فرما دیا اے آگ! تو ٹھنڈی پڑ جا اور ابراہیم (علیہ السلام) کے لیے سلامتی (اور آرام کی چیز) بن جا!(٦٩)

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿٧٠﴾

گو انہوں نے ابراہیم (علیہ السلام) کا برا چاہا، لیکن ہم نے انہیں ناکام بنا دیا۔(٧٠)

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾

اور ہم ابراہیم اور لوط کو بچا کر اس زمین کی طرف لے چلے جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت رکھی تھی۔[۳] (٧١)

جانتا ہے کہ یہ بولنے کی طاقت سے محروم ہیں۔

(۱) یعنی جب وہ خود ان کی بے بسی کے اعتراف پر مجبور ہو گئے تو پھر ان کی بے عقلی پر افسوس کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کو چھوڑ کر ایسے بے بسوں کی تم عبادت کرتے ہو؟

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یوں اپنی حجت تمام کر دی اور ان کی ضلالت و سفاہت کو ایسے طریقے سے ان پر واضح کر دیا کہ وہ لاجواب ہو گئے۔ تو چونکہ وہ توفیق ہدایت سے محروم تھے اور کفرو شرک نے ان کے دلوں کو بے نور کر دیا تھا۔ اس لیے بجائے اس کے کہ وہ شرک سے تائب ہوتے، الٹا ابراہیم علیہ السلام کے خلاف سخت اقدام کرنے پر آمادہ ہو گئے اور اپنے معبودوں کی دہائی دیتے ہوئے انہیں آگ میں جھونک دینے کی تیاری شروع کر دی۔ چنانچہ آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ تیار کیا گیا اور اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا جاتا ہے کہ منجنیق کے ذریعے سے پھینکا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیے برد و سلامتی بن جا۔ علما کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ، ٹھنڈی کے ساتھ "سلامتی" نہ فرماتا تو اس کی ٹھنڈک ابراہیم علیہ السلام کے لیے ناقابل برداشت ہوتی۔ بہرحال یہ ایک بہت بڑا معجزہ ہے جو آسمان سے باتیں کرتی ہوئی دہکتی آگ کے گل و گلزار بن جانے کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اللہ کی مشیت سے ظاہر ہوا۔ اس طرح اللہ نے اپنے بندے کو دشمنوں کی سازش سے بچا لیا۔

(۳) اس سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک ملک شام ہے۔ جسے شادابی اور پھلوں اور نہروں کی کثرت نیز انبیا علیہم السلام

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾

اور ہم نے اسے اسحاق عطا فرمایا اور یعقوب اس پر مزید۔[1] اور ہر ایک کو ہم نے صالح بنایا۔(۷۲)

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾

اور ہم نے انہیں پیشوا بنا دیا کہ ہمارے حکم سے لوگوں کی رہبری کریں اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نمازوں کے قائم رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی (تلقین) کی، اور وہ سب کے سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔(۷۳)

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَـبٰۗىِٕثَ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾

ہم نے لوط (علیہ السلام) کو بھی حکم اور علم دیا اور اسے اس بستی سے نجات دی جہاں کے لوگ گندے کاموں میں مبتلا تھے۔ اور تھے بھی وہ بدترین گنہگار۔(۷۴)

وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا بے شک وہ نیکوکار لوگوں میں سے تھا۔[2] (۷۵)

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰي مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾

نوح کے اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ اس نے اس سے پہلے دعا کی ہم نے اس کی دعا قبول فرمائی اور اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑے کرب سے نجات دی۔(۷۶)

وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ

اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلا رہے تھے ان کے

کا مسکن ہونے کے لحاظ سے بابرکت کہا گیا ہے۔

(۱) نَافِلَةً، زائد کو کہتے ہیں، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو صرف بیٹے کے لیے دعا کی تھی، ہم نے بغیر دعا کے مزید پوتا بھی عطا کر دیا۔

(۲) حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر زاد (بھتیجے) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والے اور ان کے ساتھ عراق سے ہجرت کر کے شام جانے والوں میں سے تھے۔ اللہ نے ان کو بھی علم و حکمت یعنی نبوت سے نوازا۔ یہ جس علاقے میں نبی بنا کر بھیجے گئے، اسے عمورہ اور سدوم کہا جاتا ہے۔ یہ فلسطین کے بحیرۂ مردار سے متصل بجانب اردن ایک شاداب علاقہ تھا۔ جس کا بڑا حصہ اب بحیرۂ مردار کا جزو ہے۔ ان کی قوم لواطت جیسے فعل شنیع، گزرگاہوں پر بیٹھ کر آنے جانے والوں پر آوازے کسنا اور انہیں تنگ کرنا خزف ریزے پھینکنا وغیرہ میں ممتاز تھی، جسے اللہ نے یہاں خبائث (پلید کاموں) سے تعبیر فرمایا ہے۔ بالآخر حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل کر کے یعنی انہیں اور ان کے متبعین کو بچا کر قوم کو تباہ کر دیا گیا۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۷۷﴾

مقابلے میں ہم نے اس کی مدد کی' یقیناً وہ برے لوگ تھے پس ہم نے ان سب کو ڈبو دیا-(۷۷)

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾

اور داود اور سلیمان (علیہما السلام) کو یاد کیجئے جبکہ وہ کھیت کے معاملہ میں فیصلہ کر رہے تھے کہ کچھ لوگوں کی بکریاں رات کو اس میں چر چگ گئی تھیں' اور ان کے فیصلے میں ہم موجود تھے-(۷۸)

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۫ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾

ہم نے اس کا صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا-[1] ہاں ہر ایک کو ہم نے حکم و علم دے رکھا تھا اور داود کے تابع ہم نے پہاڑ کر دیئے تھے جو تسبیح کرتے[2] تھے اور پرند[3] بھی-

(۱) مفسرین نے یہ قصہ اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ایک شخص کی بکریاں' دوسرے شخص کے کھیت میں رات کو جا گھسیں اور اس کی کھیتی چر چگ گئیں- حضرت داود علیہ السلام نے' جو پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ' حکمران بھی تھے- فیصلہ دیا کہ بکریاں' کھیت والا لے لے تاکہ اس کے نقصان کی تلافی ہو جائے- حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس فیصلے سے اختلاف کیا اور یہ فیصلہ دیا کہ بکریاں کچھ عرصے کے لیے کھیتی کے مالک کو دے دی جائیں' وہ ان سے انتفاع کرے اور کھیتی بکری والے کے سپرد کر دی جائے تاکہ وہ کھیتی کی آب پاشی اور دیکھ بھال کر کے' اسے صحیح کرے' جب وہ اس حالت میں آجائے جو بکریوں کے چرنے سے پہلے تھی تو کھیتی' کھیتی والے کو اور بکریاں' بکری والے کو واپس کر دی جائیں- پہلے فیصلے کے مقابل میں دوسرا فیصلہ اس لحاظ سے زیادہ بہتر تھا کہ اس میں کسی کو بھی اپنی چیز سے محروم ہونا نہیں پڑا- جب کہ پہلے فیصلے میں بکری والے اپنی بکریوں سے محروم کر دیئے گئے تھے- تاہم اللہ نے حضرت داود علیہ السلام کی بھی تعریف کی اور فرمایا کہ ہم نے ہر ایک کو (یعنی داود علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام دونوں کو) علم و حکمت سے نوازا تھا- بعض لوگ اس سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر مجتہد' مصیب ہوتا ہے- امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ دعویٰ صحیح نہیں- کسی ایک معاملے میں دو الگ الگ (متضاد) فیصلہ کرنے والے دو مجتہد' بیک وقت دونوں مصیب نہیں ہو سکتے' ان میں ضرور ایک مصیب (درست فیصلہ کرنے والا) ہو گا اور دوسرا مخطی غلط فیصلہ کرنے والا' البتہ یہ الگ بات ہے کہ مجتہد مخطی عنداللہ گناہ گار نہیں ہو گا' بلکہ اسے ایک اجر ملے گا- کما فی الحدیث (فتح القدیر)

(۲) اس سے مراد یہ نہیں کہ پہاڑ ان کی تسبیح کی آواز سے گونج اٹھتے تھے (کیونکہ اس میں تو کوئی اعجاز ہی باقی نہیں رہتا) ہر کہ و مہ کی اونچی آواز سے پہاڑوں میں گونج پیدا ہو سکتی ہے- بلکہ مطلب حضرت داود علیہ السلام کی تسبیح کے ساتھ پہاڑوں کا بھی تسبیح پڑھنا ہے- نیز یہ مجازاً نہیں حقیقتاً تھا-

(۳) یعنی پرندے بھی داود علیہ السلام کی پرسوز آواز سن کر اللہ کی تسبیح کرنے لگتے- وَالطَّيْرَ یا تو مفتوح ہے اور اس کا

ہم کرنے والے ہی تھے۔[1] (۷۹)

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور ہم نے اسے تمہارے لیے لباس بنانے کی کاریگری سکھائی تاکہ لڑائی کے ضرر سے تمہارا بچاؤ ہو۔[2] کیا تم شکرگزار بنو گے؟ (۸۰)

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾

ہم نے تندوتیز ہوا کو سلیمان (علیہ السلام) کے تابع کر دیا[3] جو اس کے فرمان کے مطابق اس زمین کی طرف چلتی تھی جہاں ہم نے برکت دے رکھی تھی' اور ہم ہر چیز سے باخبر اور دانا ہیں۔(۸۱)

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾

اسی طرح سے بہت سے شیاطین بھی ہم نے اس کے تابع کیے تھے جو اس کے فرمان سے غوطے لگاتے تھے اور اس کے سوا بھی بہت سے کام کرتے تھے'[4] ان کے نگہبان ہم ہی تھے۔[5] (۸۲)

عطف اَلْجِبَالَ پر ہے یا پھر یہ مرفوع ہے اور خبر محذوف کا مبتدا ہے یعنی وَالطَّيْرُ مُسَخَّرَاتٌ۔ مطلب یہ ہے کہ پرندے بھی داود علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیئے گئے تھے (فتح القدیر)

(۱) یعنی یہ تفہیم' ایتائے حکم اور تسخیر' ان سب کے کرنے والے ہم ہی تھے' اس لیے ان میں کسی کو تعجب کرنے کی یا انکار کرنے کی ضرورت نہیں ہے' اس لیے کہ ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

(۲) یعنی لوہے کو ہم نے داود علیہ السلام کے لیے نرم کر دیا تھا' وہ اس سے جنگی لباس' لوہے کی زرہیں تیار کرتے تھے' جو جنگ میں تمہاری حفاظت کا ذریعہ ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت داود علیہ السلام سے پہلے بھی زرہیں بنتی تھیں لیکن وہ سادہ بغیر کنڈوں اور بغیر حلقوں کے ہوتی تھیں۔ حضرت داود علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے کنڈے دار اور حلقے والی زرہیں بنائیں۔ (ابن کثیر)

(۳) یعنی جس طرح پہاڑ اور پرندے حضرت داود علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیئے گئے تھے' اسی طرح ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دی گئی تھی۔ وہ اپنے اعیان سلطنت سمیت تخت پر بیٹھ جاتے تھے اور جہاں چاہتے' مہینوں کی مسافت' لمحوں اور ساعتوں میں طے کر کے وہاں پہنچ جاتے' ہوا آپ کے تخت کو اڑا کر لے جاتی۔ بابرکت زمین سے مراد شام کا علاقہ ہے۔

(۴) جنات بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے جو ان کے حکم سے سمندروں میں غوطے لگاتے اور موتی اور جواہر نکال لاتے' اسی طرح دیگر عمارتی کام' جو آپ چاہتے' کرتے تھے۔

(۵) یعنی جنوں کے اندر جو سرکشی اور فساد کا مادہ ہے' اس سے ہم نے سلیمان علیہ السلام کی حفاظت کی اور وہ ان کے

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾

ایوب (علیہ السلام) کی اس حالت کو یاد کرو جبکہ اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے اور تو رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (۸۳)

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

تو ہم نے اس کی سن لی اور جو دکھ انہیں تھا اسے دور کر دیا اور اس کو اہل و عیال عطا فرمائے بلکہ ان کے ساتھ ویسے ہی اور' اپنی خاص مہربانی [1] سے تاکہ سچے بندوں کے لیے سبب نصیحت ہو۔ (۸۴)

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل' [2] (علیہم السلام) یہ سب صابر لوگ تھے۔ (۸۵)

وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِىْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾

ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ یہ سب لوگ نیک تھے۔ (۸۶)

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ

مچھلی والے [3] (حضرت یونس علیہ السلام) کو یاد کرو! جبکہ

آگے سرتابی کی مجال نہیں رکھتے تھے۔

(۱) قرآن مجید میں حضرت ایوب علیہ السلام کو صابر کہا گیا ہے' (سورۂ ص-۴۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں سخت آزمائشوں میں ڈالا گیا جن میں انہوں نے صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ یہ آزمائشیں اور تکلیفیں کیا تھیں' اس کی مستند تفصیل تو نہیں ملتی۔ تاہم قرآن کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مال و دولت دنیا اور اولاد وغیرہ سے نوازا ہوا تھا' بطور آزمائش اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ سب نعمتیں چھین لیں' حتیٰ کہ جسمانی صحت سے بھی محروم اور بیماریوں میں گھر کر رہ گئے۔ بالآخر کہا جاتا ہے کہ ۱۸ سال کی آزمائشوں کے بعد بارگاہ الٰہی میں دعا کی' اللہ نے دعا قبول فرمائی اور صحت کے ساتھ مال و اولاد' پہلے سے دوگنا عطا فرمائے۔ (اس کی کچھ تفصیل صحیح ابن حبان کی ایک روایت میں ملتی ہے۔ ج ۴' ص ۲۴۴' و مجمع الزوائد ۸ / ۲۰۸) شکوہ شکایت اور جزع فزع صبر کے منافی ہے' جس کا اظہار حضرت ایوب علیہ السلام نے کبھی نہیں کیا۔ البتہ دعا صبر کے منافی نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے "ہم نے قبول کر لی" کے الفاظ استعمال فرمائے۔

(۲) ذوالکفل کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا نہیں؟ بعض ان کی نبوت کے اور بعض ولایت کے قائل ہیں۔ امام ابن جریر نے ان کی بابت توقف اختیار کیا ہے' امام ابن کثیر فرماتے ہیں' قرآن میں نبیوں کے ساتھ ان کا ذکر ان کے نبی ہونے کو ظاہر کرتا ہے' وَاللهُ أَعْلَمُ.

(۳) مچھلی والے سے مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں جو اپنی قوم سے ناراض ہو کر اور انہیں عذاب الٰہی کی دھمکی دے

فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (٨٧)

وہ غصہ سے چل دیا اور خیال کیا کہ ہم اسے نہ پکڑ سکیں گے۔ بالآخر وہ اندھیروں[1] کے اندر سے پکار اٹھا کہ الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے' بیشک میں ظالموں میں ہو گیا۔(۸۷)

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (٨٨)

تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات دے دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچالیا کرتے ہیں۔[2] (۸۸)

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ (٨٩)

اور زکریا (علیہ السلام) کو یاد کرو جب اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے تنہا نہ چھوڑ' تو سب سے بہتر وارث ہے۔(۸۹)

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝ (٩٠)

ہم نے اس کی دعا کو قبول فرما کر اسے یحییٰ (علیہ السلام) عطا فرمایا[3] اور ان کی بیوی کو ان کے لیے درست کر دیا۔[4] یہ بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے اور ہمیں لالچ طمع اور ڈر خوف سے پکارتے تھے۔ اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔[5] (۹۰)

کر' اللہ کے حکم کے بغیر ہی وہاں سے چل دیئے تھے' جس پر اللہ نے ان کی گرفت فرمائی اور انہیں مچھلی کا لقمہ بنا دیا' اس کی کچھ تفصیل سورۂ یونس میں گزر چکی ہے اور کچھ سورۂ صافات میں آئے گی۔

(۱) ظُلُمَاتٌ، ظُلْمَةٌ کی جمع ہے' بمعنی اندھیرا۔ حضرت یونس علیہ السلام متعدد اندھیروں میں گھر گئے۔ رات کا اندھیرا' سمندر کا اندھیرا' اور مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا۔

(۲) ہم نے یونس علیہ السلام کی دعا قبول کی اور اسے اندھیروں سے اور مچھلی کے پیٹ سے نجات دی اور جو بھی مومن ہمیں اس طرح شدائد اور مصیبتوں میں پکارے گا' ہم اسے نجات دیں گے۔ حدیث میں بھی آتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس مسلمان نے بھی اس دعا کے ساتھ کسی معاملے کے لیے دعا مانگی تو اللہ نے اسے قبول فرمایا ہے"۔ (جامع ترمذی۔ نمبر ۳۵۰۵' وصححه الألبانی)

(۳) حضرت زکریا علیہ السلام کا بڑھاپے میں اولاد کے لیے دعا کرنا اور اللہ کی طرف سے اس کا عطا کیا جانا' اس کی ضروری تفصیل سورۂ آل عمران اور سورۂ طٰہٰ میں گزر چکی ہے۔ یہاں بھی اس کی طرف اشارہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

(۴) یعنی وہ بانجھ اور ناقابل اولاد تھی' ہم نے اس کے اس نقص کا ازالہ فرما کر اسے نیک بچہ عطا فرمایا۔

(۵) گویا قبولیت دعا کے لیے ضروری ہے کہ ان باتوں کا اہتمام کیا جائے جن کا بطور خاص یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً الحاح و